سلام بن رزّاق

کہانی کی روح کو بھٹکنے نہیں دیا

کسی فرد کے شخصیت بننے میں بہت وقت لگتا ہے۔ اسی لیے اس کے چلے جانے پر اس کی کمی محسوس کی جاتی ہے۔ سلام بن رزاق کی بھی کمی محسوس کی جائے گی۔ 'ریختہ' نے ان کا مختصر تعارف یہ دیا ہے کہ 'ممتاز معاصر افسانہ نگار، حاشیائی سماج کی کہانیاں لکھنے کے لیے معروف۔ ہندوستانی زبانوں کے فکشن کے اردو تراجم کے لیے بھی جانے جاتے ہیں۔'

سلام بن رزاق نے نئے افسانہ نگاروں کی حوصلہ افزائی اور منجھے ہوئے افسانہ نگاروں کو ایک پلیٹ فارم پر رکھنے کے لیے واٹس ایپ گروپ 'بزم افسانہ' کی تشکیل کی تھی، اس گروپ میں وہ کافی متحرک تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نئے تقاضوں کو سمجھنے اور انہیں اپنانے والے افسانہ نگار تھے۔ 'بزم افسانہ' کے معزز ممبروں نے سلام بن رزاق پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ مشہور فکشن رائٹر، شاعر اور ناقد، غضنفر نے لکھا ہے، 'سلام بن رزاق نے اس زمانے میں بھی کہانی کو کہانی بنائے رکھنے میں اہم کردار نبھایا جس عہد نے کہانی سے کہانی پن کو دور کرنے کا پوری طرح من بنا لیا تھا۔ جس نے کہانی کاروں کے دماغوں میں کچھ ایسا خیال پیوست کر دیا تھا کہ کہانی اگر سمجھ میں آ گئی تو وہ کہانی نہیں رہ پائے گی۔ اچھی کہانی وہ ہے جو آسانی سے کھلے نہیں اور کھلے بھی تو صاف صاف دکھائی نہ دے۔ کچھ پردے ضرور حائل رہیں۔ تخلیق کاروں نے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے میں ایسے دبیز پردوں کا بھی استعمال شروع کر دیا کہ ان کو ہٹانے میں قاری کے ذہن کی ہڈیاں چٹخنے لگیں۔ تخلیق کاروں نے ان پردوں کو ٹانگنے میں رسیاں بھی ایسی لگائیں کہ ان پردوں کو سرکانا دشوار ہو گیا۔ ساتھ ہی اس درجہ تکلیف دہ بھی کہ قاری کہانی کے پاس جانے سے گھبرانے لگا۔ ایسی صورت حال میں بھی سلام بن رزاق نے اردو کہانی کی ڈگر پر کچھ لوگوں کو روکے رکھا اور کہانی کی روح کو بھٹکنے نہیں دیا۔ اپنے معاصرین اور اپنے جونیئرز کو بھی اپنے ساتھ لگائے رکھا اور کہانی میں کہانی پن کی واپسی کے لیے انہوں نے وہ کچھ کیا جو ایک باپ راہ سے بھٹکی ہوئی اپنی اولاد کو راہ راست پر لانے کے لیے کرتا ہے۔ نئے زمانے کی نئی ڈگر پر نئی نسل کے افسانہ نگاروں کو چلانے کے لیے ''بزم افسانہ'' کے نام سے اس نے ایک ایسا افسانوی فورم کا قیام بھی عمل میں لا دیا جو آج بھی نئے افسانہ نگاروں کے لیے مشعلِ راہ بنا ہوا ہے۔'

زاہد مختار ایک اچھے افسانہ نگار ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ 'بہت سال پہلے جب میں (تگ بندی) شاعری کیا کرتا تھا، مجھے ایک دن ماہنامہ ''شاعر'' میں ایک اردو افسانہ نظر نواز ہوا، ''معبر'' جسے پڑھنے کے بعد میں کئی دنوں تک اس کے طلسم کا اسیر بنا رہا۔ اس افسانے کے تخلیق کار تھے مرحوم سلام بن رزاق۔ مجھے اس افسانے کے کرافٹ نے اس حد تک متاثر کیا کہ میں نے اپنی تُک بندی ترک کی اور میں نے افسانہ نویسی کو اختیار کر لیا... کچھ برس قبل ہی جب میں نے اپنا ایک افسانہ ''کچرا'' ماہنامہ ''تحریرِ نو'' کو ارسال کیا اور جب وہ افسانہ اس کے ایک شمارے میں شائع ہونے کے ایک ماہ بعد مرحوم سلام صاحب کا خط نظر نواز ہوا تو میں جیسے ساتویں آسمان میں اڑنے لگا۔'

سلام بن رزاق 15 نومبر، 1941 کو مہاراشٹر کے شہر پنویل میں پیدا ہوئے تھے اور انتقال 7 مئی، 2024 کو نیو ممبئی کے سانپاڑہ میں ہوا۔ افسانہ نگار وسیم عقیل شاہ کے مطابق، 'حالانکہ (سلام بن رزاق) موصوف شاعری کے ذریعے ادب میں داخل ہوئے تھے، تاہم ان کی شہرت ان کے افسانوی موضوعات، ان کی فکر، فنی شعور، منفرد اسلوب و انداز، تخلیقی ہنرمندی، زبان و بیان کی ندرت اور افسانوں کی بے مثال بنت و بیانیے کے سبب ہے۔ انہوں نے اپنے اطراف کی دنیا کو جیسا پایا ویسے ہی اسے اپنے افسانوی فریم میں سجایا۔' وسیم عقیل شاہ کی اطلاع کے مطابق، سلام بن رزاق کے 50 سے زائد افسانے آکاشوانی سے نشر ہوئے، ایک درجن سے زائد افسانوں کو ڈراماٹائز کیا گیا، انہوں نے کئی فلموں اور ٹی وی سیریلوں میں رائٹر اور اسسٹنٹ رائٹر کے طور کام کیا آدھا درجن کے قریب رسائل نے ان کے فن پر نمبر اور گوشے شائع کیے۔ ان کے فکر و فن پر چند پی ایچ ڈی اور درجن بھر کے قریب ایم فل کے مقالے لکھے گئے، 15 سے زائد کہانیاں مختلف سطح کی درسیات میں بطور نصاب شامل ہیں۔

تذکرے
سلام بن رزاق
شکستہ بتوں کے
سلام بن رزاق

سلام بن رزاق کی کل 22 کتابیں شائع ہوئیں۔ ان میں 4 افسانوی مجموعے 'ننگی دوپہر کا سپاہی'، 'معبر'، 'شکستہ بتوں کے درمیاں' اور 'زندگی افسانہ نہیں' قابل ذکر ہیں۔ ان کی 'ننھے کھلاڑی' (بچوں کا ناول)، 'ماہم کی کھاڑی' (مراٹھی ناول کا ترجمہ)، 'جی اے کلکرنی کی کہانیاں' (مراٹھی سے ترجمہ شدہ کہانیاں) اور 'عصری ہندی کہانیاں' (ہندی سے ترجمہ شدہ کہانیاں) جیسی کتابیں اہمیت کی حامل ہیں۔ سلام بن رزاق متعدد ایوارڈس سے نوازے گئے۔ ان میں ساہتیہ اکادمی ایوارڈس شامل ہیں۔ ایک بار ہندی سے ترجمہ کہانیوں کے مجموعے 'عصری ہندی کہانیاں' کے لیے انہیں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا تھا اور دوسری بار افسانوں کے مجموعے 'شکستہ بتوں کے

> مشہور فکشن رائٹر، شاعر اور ناقد، غضنفر نے لکھا ہے، 'سلام بن رزاق نے اس زمانے میں بھی کہانی کو کہانی بنائے رکھنے میں اہم کردار نبھایا جس عہد نے کہانی سے کہانی پن کو دور کرنے کا پوری طرح من بنا لیا تھا... سلام بن رزاق نے اردو کہانی کی ڈگر پر کچھ لوگوں کو روکے رکھا اور کہانی کی روح کو بھٹکنے نہیں دیا۔'

سہارا تبصرہ

کتاب کا نام : یادگار مجلّہ عالمی یونانی میڈیسن 2024: پروفیسر الطاف احمد اعظمی حیات و خدمات
زیر اہتمام : آل انڈیا یونانی طبی کانگریس، نئی دہلی
ملنے کا پتہ : D-49، نیو سیلم پور، دہلی 110053، موبائل: 09810429359
صفحات : 147، قیمت: مفت
تبصرہ نگار : **ڈاکٹر نشاط حسن نشی**

آل انڈیا یونانی طبی کانگریس کے تحت ہر سال 12 فروری کو عالمی یونانی ڈے (مسیح الملک حکیم اجمل خاں کا یوم پیدائش) کے موقع پر ملک کی مقتدر طبی خدمات انجام دینے والی شخصیات کے تعارف اور ان کی خدمات پر عالمی یونانی میڈیسن یادگار مجلّہ شائع کیا جاتا ہے۔ اب تک جن شخصیات پر یادگار مجلّے شائع کیے گئے ہیں، ان عظیم شخصیات نے طب یونانی میں قوم و ملک کے لیے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی ستائش کا ایک اہم فریضہ مذکورہ تنظیم نے انجام دیا ہے۔ اس بار عالمی یونانی ڈے کے موقع پر اعظم گڑھ سے تعلق رکھنے والی اہم اور اپنی خدمات کے حوالے سے مثالی شخصیت پروفیسر الطاف احمد اعظمی کی طب یونانی کی خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے ادارے کے قومی جنرل سکریٹری ڈاکٹر سید احمد خاں (سابق ڈپٹی ڈائرکٹر سی سی آر یو ایم، حکومت ہند) نے یادگار مجلّہ شائع کیا ہے۔

یوں تو دنیا میں لاکھوں لوگ روزانہ پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں مگر کچھ ہستیاں صدیوں تک لوگوں کے دلوں میں محفوظ رہتی ہیں، زمانہ انہیں کبھی فراموش نہیں کر پاتا ہے۔ ایسی ہی شخصیت کا نام پروفیسر الطاف احمد اعظمی ہے جن کا طب یونانی اور ادبی ہستیوں میں مقام کافی بلند ہے۔ پروفیسر الطاف احمد اعظمی کی خدمات کا کینوس کافی وسیع ہے۔ انہوں نے نہایت خموشی کے ساتھ علم و عرفان کی روشنی سے ہمارے دلوں کو منور کیا۔ ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بھاٹن پارہ میں 2 جولائی 1942 کو پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و ثانوی تعلیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ میں ہوئی۔ طب کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی چلے گئے اور اجمل خاں طبیہ کالج میں داخلہ لیا۔ 1969 میں طب کی سند حاصل کی، نیز اس کے بعد انہوں نے عملی میدان میں قدم رکھا۔ پہلے جونپور میں مطب کھولا، بے شمار خلق خدا کو فائدہ پہنچایا، یہ فیضان جاری ہی تھا کہ حکیم عبدالحمید بانی ہمدرد یونیورسٹی دہلی نے تاریخ و طب سائنسی خدمات وغیرہ کے لیے انہیں یاد کیا۔ اس طرح انہوں نے ہمدرد یونیورسٹی کے مختلف شعبوں میں ایک طویل عرصے تک خدمات انجام دیں۔ علمی، تحقیقی، تنقیدی، ادبی اور فکری موضوعات پر انہوں نے بے شمار مضامین و مقالات کے علاوہ پچاس سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔ ان کے وقیع علمی، تحقیقی کاموں کی بنیاد پر جامعہ ہمدرد یونیورسٹی دہلی نے پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری انہیں تفویض کی۔

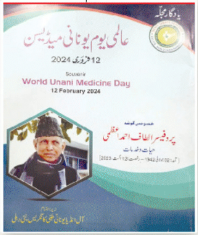

ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی نے طب یونانی میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ اردو زبان میں 'معالجات امراض رئیس' نامی پہلی کتاب لکھی جو 1986 میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے طب یونانی کے بنیادی نظریات پر کام کرنا شروع کیا اور 'مبادیات طب پر ایک تحقیقی نظر' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ یہ کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی تخلیقی اور تعمیری ذہن کے مالک تھے۔ طب یونانی کی ترویج و اشاعت کے لیے انہوں نے ایک طرف تصنیف و تالیف کا سہارا لیا تو وہیں طبی تعلیمات اور اس کے نظریات کے فروغ کے لیے سمینار اور کانفرنسز کا انعقاد بھی کیا۔ 1995 میں Research Methodology in Unani Medicine کے موضوع پر ایک اہم سمینار منعقد کیا۔ طب یونانی میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا سمینار تھا۔ ماہرین سے مختلف موضوعات پر تحقیقی مقالات لکھوائے تاکہ طب یونانی کے اندر ریسرچ یا تحقیق کی فضا ہموار ہو۔ آپ کے اندر بے پناہ قائدانہ صلاحیت بھی موجود تھی۔ اس کا اظہار علی گڑھ کے زمانہ طالب علمی میں ہوتا رہا ہے۔ آپ اسٹوڈنٹ یونین علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سکریٹری بھی رہے۔ ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی کو تحریر و تقریر دونوں پر عبور حاصل تھا۔ آپ نے طب کے علاوہ اردو ادب، تصوف اور اسلامیات کو بھی اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ آپ کی کتابوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اسلامیات پر لکھی گئی کتابوں میں اسلامی عبادات، احیائے ملت اور دینی جماعتیں، تفسیر قرآن کے اصول و مسائل، اسلامی شریعت کا اجمالی تصور، توحید کا قرآنی تصور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ دوسری جانب ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی نے شعر و ادب سے اپنی دلچسپی کو زائل نہیں ہونے دیا۔ ان کے کلام کی اشاعت کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ شعر گوئی ان کے مزاج کا اٹوٹ حصہ تھی۔ بہر حال، مجلّے میں شامل مضامین کا مطالعہ کرنے سے علم ہوتا ہے کہ پروفیسر الطاف احمد اعظمی طب یونانی کے فروغ کیلیے عصری سائنسی علوم پر بھی تحقیقی درک رکھتے تھے ساتھ ہی ساتھ اردو زبان و ادب سے خاصا علمی و عملی تعلق بھی رکھتے تھے اور اس کا ثبوت ان کی تحریریں اور شاعری ہے۔ اس کے علاوہ دہلی اردو اکادمی کے وائس چیئرمین کے طور پر بھی انہوں نے ذمہ داری نبھائی، اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ان کی زندگی کا نصف حصہ دہلی میں گزرا اور اب یہیں پیوند خاک ہیں۔

عالمی یونانی میڈیسن یادگار مجلّہ پروفیسر الطاف احمد اعظمی کے مختلف گوشوں سے آشنا کراتا ہے۔ امید ہے کہ مجلّہ طب یونانی سے وابستہ ڈاکٹرز اور اسکالرز کے لیے مفید اور یادگار ثابت ہوگا۔ اس اہم کام کے لیے روح رواں مجاہد اردو ڈاکٹر سید احمد خاں کے حوصلے کو سلام! ■

جمیل مظہری

مقبول شاعر

مشہور غزل

بقدرِ پیمانۂ تخیل سرور ہر دل میں ہے خودی کا
اگر نہ ہو یہ فریب پیہم تو دم نکل جائے آدمی کا

بس ایک احساس نارسائی نہ جوش اس میں نہ ہوش اس کو
جنوں پہ حالت ربودگی کی خرد پہ عالم غنودگی کا

ہے روح تاریکیوں میں حیراں بجھا ہوا ہے چراغ منزل
کہیں سر راہ یہ مسافر پٹک نہ دے بوجھ زندگی کا

خدا کی رحمت پہ بھول بیٹھوں یہی نہ معنی ہے اس کے واعظ
وہ ابر کا منتظر کھڑا ہو مکان جلتا ہو جب کسی کا

وہ لاکھ جھکوا لے سر کو میرے مگر یہ دل اب نہیں جھکے گا
کہ کبریائی سے بھی زیادہ مزاج نازک ہے بندگی کا

جمیلؔ حیرت میں ہے زمانہ مرے تغزل کی مفلسی پر
نہ جذبۂ احتبائے رضوی نہ کیف پرویزؔ شاہدی کا

افسانہ

شاہکار

رشید پروینؔ سوپور

یونیورسٹی کیمپس میرے تصور سے بڑا تھا۔ علم و دانش کے بڑے بڑے محل، میں مرعوب بھی تھا۔ میں نے کار پارک کی، میم صاحب کے لیے دروازہ کھولا، وہ باہر آئیں، جیب میں ہاتھ ڈالا، پانچ سو کے دو نوٹ میری ہتھیلی پر رکھ دیے اور مسکرا کر کہا، 'فنکشن دو گھنٹوں تک چلے گا... آرام سے کھانا پینا، سامنے ہی کینٹین ہے۔' اور وہ چلی گئیں۔

یہاں چناروں کے بڑے بڑے تناور درخت تھے۔ آج دھوپ میں تمازت کچھ زیادہ تھی یا میں کسی انجانی آنچ سے تپ رہا تھا۔ میں نے کاپی اور پین گاڑی کے ڈیش بورڈ سے نکالا، ایک چنار کی چھاؤں میں آرام سے بیٹھا، کوئی ایسا افسانہ جو شاہکار ہو، میں نے سوچا لیکن ذہن کے پردوں پر پتہ نہیں کیوں آج میرے ماضی کے ریلے مسلسل فلم کی طرح منعکس ہو رہے تھے اور جانے کیوں ایک انجانا سا کرب دل و دماغ پر محیط ہو رہا تھا۔ میرے وجود کے اندر کہیں نہ کہیں سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ میں نے کاپی پر قلم رکھا اور افسانے کا عنوان لکھا 'شاہکار'۔

جب میں دوسری بار بھی میٹرک میں فیل ہوا تو گھر سے بھاگ کھڑا ہوا، کیونکہ مجھے پہلی بار فیل ہونے پر والد صاحب کے ڈنڈے یاد آئے جن کی وجہ سے مجھے کئی دنوں تک صاحب فراش ہونا پڑا تھا لیکن ماں کی محبت اور شفقت نے مجھے ڈھونڈ ہی نکالا اور گھر پہنچا دیا۔

اس بار میری حیرت کی کوئی انتہا ہی نہ رہی جب والد صاحب نے نہ تو کوئی ڈنڈا اٹھایا اور نہ ہی لاتوں سے میری آؤ بھگت کی بلکہ عجیب سے لہجے میں کہا، 'اب تمہیں پڑھنے کا خیال ترک کر کے محنت مزدوری کے لیے تیار ہونا چاہیے، کیونکہ میں اکیلے گھر کا بوجھ نہیں اٹھا پاتا۔' اور یہ درست بات بھی تھی۔ ہم تین بھائی اور ہماری تین بہنیں ہیں اور ان میں میں ہی بڑا ہوں، اس لیے یہ بوجھ اصولی طور پر مجھے ہی اٹھانا ہوگا۔

والد صاحب نے چاہا تھا کہ میں میٹرک کر لوں تو کسی چھوٹی موٹی نوکری کی بات بن جائے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مجھے خود پتہ نہیں، میں فیل کیوں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود کہ پانچویں جماعت سے ہی پتہ نہیں کیوں مجھے محسوس ہوتا تھا کہ یہ ٹیکسٹ جو ہم پڑھتے ہیں، مجھے پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ میں ان کتابی جملوں سے زیادہ خوبصورت، دلکش جملوں، پیراگرافوں اور کہانیوں کی تخلیق کر سکتا تھا۔ میرے مطالعے کا عالم یہ تھا کہ نویں جماعت تک مجھے برصغیر کے تمام معروف ادبا، شعرا اور قلم کاروں کے فن پاروں سے نہ صرف واقفیت ہو چکی تھی بلکہ ان کے فن کو سمجھنے کی سوجھ بوجھ بھی تھی۔ نویں جماعت میں میں نے کئی افسانے لکھے تھے۔ انگریزی بھی کچھ اچھی ہی تھی، کیونکہ میں کتابوں سے کریمنگ یا رٹے رٹائے جملے دہرانے کے بجائے خود ہی مضامین لکھنے کی کوشش کرتا تھا لیکن میں پاس نہیں ہوا۔

دوسری بار فیل ہونے پر میرے لیے اسکول کے دروازے بند ہو گئے تھے۔ اگلی صبح والد صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے ساتھ لیا اور سیدھا ڈاکٹر اسلم کے ہاں پہنچا دیا۔ یہاں مجھے تین بجے سے رجسٹر میں بیماروں کا اندراج کرنا پڑتا تھا اور ڈاکٹر صاحب کے آنے پر ایک ایک کر کے بیماروں کو اندر چھوڑنے کے فرائض انجام دینے پڑتے تھے لیکن میری ڈیوٹی اس گھر کے اندر نو بجے سے ہی لگتی تھی، کیونکہ یہاں باقی گھریلو کام جیسے جھاڑو پونچھا، برتن دھونا، بستر وغیرہ قرینے سے اور سلیقے سے ٹھیک ٹھاک رکھنا بھی میرے ہی فرائض میں تھا۔ گاڑی دھوتے دھوتے ایک روز میں خود ہی گاڑی چلانے کے قابل ہو گیا۔ میرا کھانا پینا اسی گھر میں تھا۔ اکثر بچا کھچا کھانا بھی جاتے وقت بڑی میم صاحب تھیلے میں ڈال کر میرے حوالے کر دیتیں۔ **(جاری)**

3 شاعر

جانے کس راہ سے ہر شام گزر جاتا ہوں
کون سا حادثہ ہوتا ہے کدھر جاتا ہوں

چلتے چلتے جو مری سانس اکھڑ جاتی ہے
زندہ رہ کر بھی سمجھتا ہوں کہ مر جاتا ہوں

میں نے تصویر تری دل میں بسائی جب سے
ہر طرف تجھ کو ہی پاتا ہوں جدھر جاتا ہوں

رات کے وقت مسافر ہوں کہاں جاؤں گا
دے اجازت میں ترے در پہ ٹھہر جاتا ہوں

میں تمنائے ہدایتؔ ہوں کہ در تک ان کے
ایک سائل کی طرح دیدۂ تر جاتا رہوں

ہدایتؔ بدایونی
K 32A,Khidki Extn.,
Malviya Nagar,New Delhi-110017

جو رات آئے تھے میری کٹیا جلانے
وہ نکلے مرے دوست بیحد پرانے

شعور حیات آگیا بے بسوں میں
ہیں بکھرے ہوئے ظلم کے تانے بانے

وہ اب چل رہے ہیں مرے نقش پا پر
اٹھے تھے مرا نقش پا جو مٹانے

ابابیلو ہشیار، مکہ کی جانب
بڑھایا ہے اپنا قدم ابرہا نے

یہ محفل نہیں ہے، یہ مقتل ہے طیبؔ
چلے آئے کیوں اپنے خوں میں نہانے

طیبؔ واسطی
Flat No.607,6th Floor,3rd Block,
Raj Mahal,Pardih,Jamshedpur-832110

جب عشق کے آغاز میں سب مسئلے طے تھے
کیوں ذہن میں پھر ان کے سوالات نئے تھے

آنکھوں سے رواں ہونے لگے اشک جھما جھم
اس شخص کے بارے میں فقط سوچ رہے تھے

موسم کے بدلتے ہی بدلنے لگے تم بھی
تم سے تو یہ امید نہ تھی تم تو مرے تھے

افسوس کہ پورا نہیں کر پائے کوئی خواب
پلکوں پہ ہماری بھی کئی خواب سجے تھے

جب گردش ایام نے دستک دی مرے گھر
فیصلؔ وہ پرائے ہوئے جو اپنے سگے تھے

فیصلؔ قادری گنوری
Qasba Gunnaur
District: Sambhal-243722